Al-Abṣār (Research Journal of Fiqh & Islamic Studies)
ISSN: 2958-9150 (Print) 2958-9169 (Online)
Published by: Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur.
Volume 03, Issue 02, July-December 2023, PP: 46-62
DOI: https://doi.org/10.52461/al-abr.v3i2.3631
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/al-absar/about

واقعاتِ سیرت میں توقیتی تضادات،(مولوی اسحاق النبی کی تحقیقات کا مطالعہ)

Chronological Discrepancies in Seerah Events, (A Study of Maulana Ishaq al-Nabi's Research)

Abdul Manan
M. Phil scholar, Department of Islamic Studies, Government College University Faisalabad
abdulmananbsis748@gmail.com

Dr. Mohammed Hamid Raza
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad
drhamidraza@gmail.com

Abstract

In the primary sources of the Prophet Muhammad's ﷺ biography, occasional chronological inconsistencies are observed. Maulana Ishaq al-Nabi Rampuri, in his work "Hal al-Tadad fi Tawarikh Seerat Khair al-Ibad", presents a unique scholarly theory to explain these inconsistencies. According to his research, the early biographers of the Seerah encountered reports based on two different calendrical systems: the Makkan (lunar-solar) and the Madinan (pure lunar) calendars. The blending of these calendars led to certain chronological discrepancies in the historical records of Seerah. Maulana Ishaq al-Nabi analyzed these differences through his "dual-calendar theory" and developed comparative charts, incorporating the Makkan, Madinan, and Julian calendars.

This article provides an analytical study of Maulana Ishaq al-Nabi's research and examines the five types of historical discrepancies he identified. The paper evaluates the validity of his analysis by reviewing the chronological differences in key events of Seerah—such as the Hijrah, major battles, the Treaty of Hudaybiyyah, the Conquest of Makkah, and the Farewell Pilgrimage. The findings of this study suggest that the "dual-calendar theory" offers a plausible framework for resolving historical inconsistencies, thereby contributing to a more coherent and reliable chronological understanding of Seerah events.

Keywords: *Seerah, Chronological Inconsistencies, Dual-Calendar Theory, Maulana Ishaq al-Nabi Rampuri, Lunar-Solar Calendar, Historical Analysis, Islamic History*

All Rights Reserved © 2022 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

1. موضوع کا تعارف

رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے متعلق بنیادی مآخذ میں جو واقعات منقول ہیں مثلاً ابن اسحاق، واقدی، ابن ہشام اور محدثین نے جو سیرت سے متعلق واقعات نقل کیے، ان میں بظاہر تفاوت نظر آتا ہے۔ سیرت کے واقعات میں موجود توقیتی تضاد کے حل کے لیے مختلف اہل علم نے کوششیں کی ہیں، انہیں میں مولانا اسحاق النبی صاحب رام پور کا نام ہے جنہوں نے ایک کتاب "حل التضاد فی تواریخ سیرۃ خیر العباد" تصنیف کی اور اسی میں سے ایک حصہ بعنوان "واقعاتِ سیرتِ نبوی ﷺ میں توقیتی تضاد اور اس کا حل" ماہ نامہ برہان دہلی میں جون ۱۹۶۴ء تا دسمبر ۱۹۶۴ء شائع ہوا۔ مولوی اسحاق النبی کے نزدیک سیرت کے بنیادی مآخذ میں موجود جملہ تفصیلات اس وقت تک بیان نہیں کی جاسکتیں جب تک ان کو فوراً ہی قلم بند نہ کر لیا گیا ہو، بالخصوص تاریخ اور دن کا صحیح تعین، لکھے بغیر ممکن نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر واقعی یہ روایات درست ہیں اور ان تفصیلات کی حیثیت افسانوی نہیں تو ان کے 'رُواۃ' کے سامنے براہ راست کچھ ایسی دستاویزات تھیں جن کا تعلق عہد رسالت ﷺ بلکہ عہد غزوات سے تھا۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے روایات سیرت پر تنقید کا حق پہنچتا ہے اور اصولی طور پر نظر کتبِ سیرت کے ابتدائی مآخذ کی طرف اٹھتی ہے کیونکہ تاریخ صرف مستند مآخذ کے بیان کردہ واقعات کا نام ہے۔ اس سلسلے میں ایک عمومی تصور یہ ہے کہ تمام روایات دوسری اور تیسری صدی ہجری سے پہلے ضبط تحریر میں نہیں آسکی تھیں 1 چونکہ اکثر علماء کے نزدیک ابن اسحاق (ف ۱۵۰ھ) اسلام کے پہلے مورخ ہیں۔ گویا اسلام کی یہ ابتدائی تاریخ جب لکھی گئی تو ظہورِ اسلام کو تقریباً سوا سو یا ڈیڑھ سو سال بیت چکے تھے۔ اگر اس خیال کو صحیح مانا جائے تو اسلامی تاریخ کا ابتدائی حصہ محض چند مشتبہ روایات کا مجموعہ رہ جاتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں مآخذ کی ان روایات کی ساخت، ہیئت اور دوسری تفصیلات پر غور کرنے سے واضح ہوا ہے کہ ان میں قدیم سادگی کی پوری جھلک پائی جاتی ہے حتیٰ کہ واقعاتی تسلسل تک نظر نہیں آتا، جگہ جگہ روایتیں تشنہ رہ جاتی ہیں، درمیان سے ٹوٹ جاتی ہیں اور کسی جوڑنے والے کا پتہ نہیں چلتا، عباسی عہد کے عقائد و تصورات اتنی کم روایتوں میں محسوس ہوتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ روایاتِ سیرت کا بڑا حصہ اس دور سے پہلے ضبط تحریر میں آچکا تھا۔ اس صورت میں اگر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ روایتیں ابتدائی مدونین سیرت کو بعض قدیم تر ماخذوں سے مکتوبی صورت میں پہنچی تھیں جن کا تعلق عہدِ رسالت یا عہد صحابہ سے تھا تو اس خیال کی تائید و تصدیق روایات کی بہت سی داخلی شہادتوں اور قیاس سے بھی ہو جاتی ہے۔ سیرت کی کتابوں کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کی قدیم تاریخ میں مورخین اسلام کا یہ ایک بے مثال کارنامہ ہے کیونکہ جس عہد میں اصولاً یہ توقیتیں ریکارڈ ہونا چاہئیں اس میں دنیا کا بڑا حصہ اس درجہ تاریخی شعور سے خالی نظر آتا ہے کہ ہر اہم واقعے کو موقت بتاریخ و یوم اور ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کا ٹھیک ٹھیک زمانہ متعین کیا جائے جیسا کہ

کتب سیرت کا عام دستور ہے۔ سیرت کی کتابوں میں یوں تو سینکڑوں واقعات کو موقت کیا گیا ہے اور یہ تاریخیں اگرچہ بلا کسی ادنیٰ شعبہ کے اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ گویا سب کی سب دستاویزی تھیں مگر جب ان کی جانچ ریاضی کے اصولوں پر کی جاتی ہے تو حیرت ناک نتائج نکلتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی اس ابتدائی تاریخ میں سچائی کے عناصر کم اور تبلیغی تصور زیادہ ہیں کیونکہ تقریباً تمام اہم واقعات کی توقیتی صراحتوں میں بظاہر اس درجہ تضاد اور تناقص نظر آتا ہے کہ ان روایات کو تاریخ کا مرتبہ دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ نہ دن تاریخوں سے مطابقت کرتے ہیں نہ مہینے موسموں سے، اور یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ جملہ صراحتیں محض جعلی اور قدیم واعظینِ اسلام کی محض وقتی ذہانت کی پیداوار تھیں جن کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ ان کی جانچ کسی طرح ممکن ہے۔ مولانا اسحاق النبی کے نزدیک یہ تاریخی تضاد اتنے گوناگوں ہیں کہ کتابی سہو اور تصنیفی غلطیوں کو چھوڑ کر ان کو مندرجہ ذیل پانچ قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱)ایسی تاریخیں ملتی ہیں جو روایتی ایام سے مطابقت نہیں کرتی

۲)ایسی تاریخیں موجود ہیں جو روایتی موسموں کا ساتھ نہیں دیتیں

۳)ایسی تاریخیں نظر آتی ہیں جن کی تکذیب دوسرے علمی ذرائع سے ہو جاتی ہے

۴)ایک ہی واقعہ کے متعلق دو مختلف اور متضاد تاریخیں نظر آتی ہیں جن میں وجہ ترجیح مشکل ہے

۵)واقعات کی ترتیبِ زمانی میں مؤرخوں کے اختلاف موجود ہیں

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ عجیب بات ہے کہ بہت سی تاریخیں ہر اعتبار سے صحیح اور قابلِ اعتماد بھی نظر آتی ہیں اور اگرچہ ان کی تعداد اور تناسب کم ہے تاہم اس یقین دہانی کے لیے کافی ہیں کہ واقعاتِ سیرت کے جمع کرنے میں ابتدائی مدونین کے سامنے کوئی بنیادی مواد ضرور موجود تھا، ورنہ اصولاً یہ بھی غلط ثابت ہوتیں۔ سیرت کے ابتدائی مصنفین یا وقائع نگاروں کا سلسلہ اگرچہ صحابہ بلکہ ایک طرح سے خود عہد رسالت سے جاملتا ہے لیکن اس عہد کی کتابیں چونکہ آج موجود نہیں اس لیے قدیم مدونین سیرت میں صرف دوسری اور تیسری صدی کے مصنفین رہ جاتے ہیں جن کی تصنیفات پر اگر امتحانی نظر ڈالی جائے تو تقریبا دو تہائی واقعات مشتبہ ہو جاتے ہیں ایک تہائی تاریخیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں وہ نسبتا کم اہمیت رکھنے والے واقعات سے تعلق ظاہر کرکے اس معمہ کو اور پیچیدہ کر دیتی ہیں کہ اہم واقعات کے ریکارڈ کہاں گئے اور موجودہ ریکارڈ کہاں سے آئے۔2

2. واقعات کے ریکارڈ مکی ومدنی تقویم کے مطابق

مندرجہ بالا بحث کے بعد سیرت کے واقعاتی ریکارڈوں پر دو قسم کی تقویموں کی کارفرمائی معلوم ہوتی ہے جس میں ایک خالص "قمری" (مدنی) اور دوسری "قمری شمسی" جس کو مولانا اسحاق النبی نے "مکی تقویم" کا نام دیا ہے اور اس کا الگ سے جدول بھی پیش

کیا ہے۔ اس صورت میں بہت سے واقعاتی ریکارڈ ایسے ہونا ضروری ہیں جو بیک وقت دونوں تقویموں کے بموجب ریکارڈ کیے گئے ہوں گویا "دو تقویمی" نظریہ کو قبول کرنے سے پہلے اصولاً "دو دستاویزی تصور" اختیار کیا جائے جس کی تائید میں تاریخی شہادتیں یہ ہیں کہ سیرت کے ابتدائی مآخذ چند در چند ہیں جن کی آخری کڑیاں ایسے صحابہ سے ملتی ہیں جنہوں نے اپنا آنکھوں دیکھا حال یا کانوں سنا حال کسی نہ کسی نہج سے ابتدائی مصنفین مثلاً عبد اللہ بن عباس، ابان بن عثمان، عروہ بن زبیر اور دوسرے علماء مغازی تک پہنچایا اور انہوں نے ان ذخائر کو قلمبند کر کے آنے والی نسلوں کے حوالے کیا لیکن یہ قدیم ریکارڈ چونکہ آج موجود نہیں اس لیے متاخرین کے یہاں ان میں سے اکثر روایات کی آخری سند صرف دو آئمہ مغازی محمد بن اسحاق اور محمد بن واقدی کے ناموں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ ان دونوں اساطینِ سیرت کی تالیفات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر جو ابتدائی دستاویزیں تھیں ان میں سے بہت سی بقید ایام و شہور مدون کی گئیں، اس لیے کہ دونوں کے یہاں تقریباً تمام روایات کو موقت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے بلکہ کچھ واقعات تو ایسے ملتے ہیں جن میں دن اور تاریخ کے علاوہ گھڑی اور گھنٹہ کا خیال رکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ تاریخ و ایام کی یہ صراحتیں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ کسی مصنف کے پیشِ نظر کما حقہ تفصیلات نہ ہوں۔3

3. دو دستاویزی تصور

ابن اسحاق اور واقدی کی روایات کا آپس میں مقابلہ کرنے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ان میں بہت سی روایتوں کے مآخذ ایک حد تک مشترک تھے اس لیے کہ واقعاتِ متعلقہ کی توقیت اور دوسری تاریخی تفصیلات میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ مثلاً واقعہ ہجرت، غزوہ ابواء، غزوہ عشیرہ، غزوہ بدر، غزوہ سویق، غزوہ احد، غزوہ حمرالاسد، غزوہ بنو نضیر، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ مریسیع، غزوہ حدیبیہ، فتح مکہ اور حنین لیکن ان کے مقابلے میں بعض واقعات ایسے ہیں کہ ان کی تاریخوں پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن اسحاق اور واقدی کے بعض مآخذ بالکل مختلف تھے اس کے باوجود کہ واقدی کے سامنے ابن اسحاق کی پوری کتاب موجود تھی پھر بھی انہیں اپنی تحقیق اور اس کے نتائج پر اس درجہ اعتماد بلکہ اصرار تھا کہ انہوں نے ابن اسحاق کی بیان کردہ بہت سی تاریخوں اور توقیتی صراحتوں کو چھوا تک نہیں اور اپنے ماخذوں کو برقرار رکھا مثلاً غزوہ کرز بن جابر فہری، غزوہ بنو سلیم، غزوہ ذی امر، سریہ زید بن حارثہ، حادثہ رجیع، غزوہ بدر موعد، غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ خیبر وغیرہ ان واقعات کے توقیتی اختلافات سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ابن اسحاق اور واقدی نے غیر دیانتداری سے کام نہیں لیا تھا تو ان دونوں کے ابتدائی مآخذ بلکل جدا جدا تھے۔ اس طرح سیرت کی ابتدائی تدوین میں کم سے کم دو مساوی درجے کے ماخذوں یا دستاویزوں کی کارفرمائی محسوس ہوتی ہے۔4

4. مکی تقویم کی اہمیت

اب یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف دستاویزوں میں ایک ہی واقع سے متعلق جو دو مختلف مہینوں کے نام لیے گئے ہیں اس کی بنیادی وجہ کیا یہ ہے کہ واقعی ابن اسحاق اور واقدی کے رُواۃ ان واقعات کے توقیت کے سلسلہ میں اتنے ہی زیادہ مختلف الخیال تھے کہ وہ متفقہ طور پر واقعات کا صحیح مہینہ بھی بیان نہ کرسکتے تھے یا پھر یہ تمام ایام وشہور کی صراحتیں محض فرضی اور صرف زیبِ داستان کے لیے تھیں، جن میں شرکاء کی عینی شہادت کا دخل نہ تھا۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے "دو تقویمی" نظریہ کی ابتداہوئی ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں جب یہ دستاویزیں یایاداشتیں ضبط تحریر میں آرہی تھیں توان کے رُواۃ کچھ مہاجر تھے اور کچھ انصار تھے۔ غالباًمہاجرین کی یادداشتیں اور روایات سب کی سب مکی تقویم کے بموجب ریکارڈ ہوئی تھیں جن کے مقابلے میں انصار اپنی قدیم خالص "قمری تقویم" استعمال کررہے تھے۔ ان یادداشتوں کو تابعین کے عہد میں جب اکٹھا کیا گیا تو اس بات کا لحاظ نہیں رہا کہ اصل دستاویزوں میں کون سی دستاویز مکی تھی اور کون سی مدنی تھی۔ دونوں تقویموں کے مہینے چونکہ مشترک الاسم تھے اس لیے ان سب کو ایک ہی کیلنڈر کی تاریخیں سمجھ لیا گیا جو مدونین کے زمانہ میں جاری تھا یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ابن اسحاق اور واقدی بلکہ دوسرے قدیم مصنفین کے یہاں بھی مکی اور مدنی توقیت کا ایک عجیب اختلاط نظر آتا ہے۔ پس مولوی اسحاق النبی کا یہ دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچتاہے کہ توقیتی اختلافات محض دو دستاویزوں اور دو تقویموں کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے، اس کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ مولانا اسحاق النبی نے جو مکی تقویم پیش کی اگر اس کے پہلو میں عام قمری تقویم رکھ دی جائے تو یہ تمام اختلافات ختم ہوجاتے ہیں5

مقالہ مذکورہ کے مطابق پرسیوال(Percival) اور میور(Mayer) کے نزدیک بھی مکی سنہ "قمری شمسی" تھا۔ نیز ونکلر (Winkler)اور نیلسن(Nielsen) کا یہ تصور ہے کہ ظہور اسلام کے وقت مکے اور مدینے کی تقویمیں بالکل جدا جدا تھیں مگر دونوں تقویموں کے مہینے مشترک الاسم تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی مکی اور مدنی تقویموں کی جداگانہ حیثیت تسلیم کی ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اصولی طور پر ان اہل علم کے تصورات تقریباًوہی ہیں جو اوپر پیش کیے گئے ہیں تو پھر اسحاق النبی اور ان علماء کے نظریات میں بنیادی فرق کیاہے یا کیاوجہ ہے کہ ان کے حسابات سے سیرت کے توقیتی مسائل حل نہیں ہوئے؟ اس سلسلہ میں مولانا اسحاق النبی کے نزدیک میور(Mayer)اور پرسیوال(Percival) سے بظاہر یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے جاہلیت کی تقویمی صلاحیتوں کو پورے طور پر نہیں سمجھا اور یہ رائے قائم کرلی کہ جاہلی عربوں میں حسابی کم فہمی کے باعث عہد رسالت میں ایام حج مارچ میں آنے لگے تھے اور سال اپنی قدیم جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ جبکہ مولانا اسحاق النبی کے نزدیک یہ تصور بنیادی طور پر صحیح نہیں ہے اسی وجہ سے ان کا نظریہ واقعات سیرت کی توقیتی توجیہ کرنے میں ناکام رہا جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق عہد رسالت میں مکی اور

مدنی تقویمیں پہلو بہ پہلو چل رہی تھیں یہاں تک تو ڈاکٹر حمید اللہ اور اسحاق النبی کے تصورات میں کوئی اختلاف نہیں البتہ ایک بنیادی اور نہایت اہم فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک یہ دونوں تقویمیں سن ۱۰ھ میں جا کر ایک ہو گئی تھیں اور ذوالحجہ سن ۱۰ ھ دونوں تقویموں کے اعتبار سے مشترک ایام میں آیا تھا جبکہ اسحاق النبی کا خیال ہے کہ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایسے واقعات و روایات سے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا جو مروجہ تقویم کی مدد سے حل نہیں ہوتے مثلاً سن ۱۰ھ کا سورج گرہن اور دوسرے واقعات۔ اسحاق النبی نے کہا ہے کہ یہ غلطی صرف ڈاکٹر حمید اللہ ہی سے نہیں ہوئی بلکہ ہر محقق کو اسی جگہ ٹھوکر لگی ہے۔ میور (Mayer) اور پرسیوال (Percival) نے بھی اسی تصور کے تحت مکی اور مدنی تقویموں کو ہم زمانہ قرار دے کر واقعات سیرت کی توقیتی صراحتوں کو کہیں سے کہیں رکھ دیا ہے جبکہ اسحاق النبی کے مطابق سن ۹ھ میں مکی تقویم کو منسوخ کر دیا گیا تھا اور مدینے کی خالص مدنی تقویم کو اختیار کر لیا گیا تھا جس کے باعث موسم حج پہلی بار مارچ ۶۳۱ء میں آیا تھا۔6

5. توقیتی تضاد کا حل:۔

مولانا اسحاق النبی نے قدیم مکی تقویم کا جدول دے کر ہجرت سے وفات تک کے چند واقعات کو پیش کیا ہے کہ مآخذ میں موجود موقت اس جدول کے مطابق ریاضی کے اصولوں پر بالکل صحیح ہے ان میں سب سے پہلے ہجرت کا واقعہ ہے۔

6. واقعہ ہجرت

طبری کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا خروج پیر کا واقعہ ہے اور مدینہ میں ورود پیر ۱۲ ربیع الاول کا واقعہ ہے 7 ابن سعد نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خروج پیر کی رات میں ربیع الاول کی چار راتیں گزار کر ہوا، 8 ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے روز تشریف لائے جبکہ دوپہر ہو چکا تھا اور سورج سمت الراس پر تھا، 9 واقدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے، 10 ابن سعد نے کہا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے اور یہ تاریخ مجمع علیہ ہے چنانچہ مسعودی، مقدسی اور طبری وغیرہ تمام بڑے بڑے مصنفین نے اسی کو اختیار کیا حتیٰ کہ اکثر مستشرقین اور علماء یورپ بھی اسی کے قائل ہیں شیعہ اکابر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں البتہ بیرونی اور اس کے چند نئے مصنفینِ سیرت مثلاً مارگولیتھ (Margoliouth)، ایچ جی ویلز (H.G.Wells) اور مولانا شبلی وغیرہ کے نزدیک یہ تاریخ اٹھ ربیع الاول مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء تھی جبکہ مولانا اساق النبی کی مکی تقویم کے مطابق ۱۲ ربیع الاول سن ۱ھ کو پیر ہی کا دن تھا کیونکہ اس سال مکی ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ جمعرات ۱۱ نومبر ۶۲۲ء کے مطابق تھی جس کے حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن اور جولین تاریخ ۲۲ نومبر ۶۲۲ء ہونا چاہیے جو روایات کے عین مطابق ہے 11

7. غزوہ ذات العشیرہ، غزوہ ابواء (ودان)

تقریباً تمام اہل سیر کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلی مہم جس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شریف تھے غزوہ ابواء ہے 12 جس کو غزوہ ودان بھی کہا جاتا ہے متقدمین میں ابن اسحاق، واقدی، ابن ہشام، ابن سعد، ابن حبیب اور طبری وغیرہ نے اور اس کے بعد تمام متاخرین نے سلسلہ غزوات کی ابتدا اسی غزوہ سے کی ہے۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ غزوہ ابواصفر ۲ھ کا واقعہ ہے بلکہ شرح مواہب میں تو یہاں تک ہے کہ اسی صفر میں اللہ نے جہاد کی اجازت دی تھی 13 علمائے سیرت کا تو یہ متفقہ خیال ہے لیکن بخاری کی روایت میں حضرت زید بن ارقمؓ نے غزوہ عشیرہ کو سب سے پہلا غزوہ بتایا ہے 14۔ اگر یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو صفر ہی میں جہاد کی اجازت دی گئی تھی اور اسی مہینے آپ ﷺ قریش کی کاروانی شاہراہ کی ناکہ بندی اور پڑوسی قبائل سے خیر سگالی کے معاہدے کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے تو غزوہ ذات العشیرہ اسی صفر ۲ھ میں ہونا چاہیے اس لیے کہ حضرت زیدؓ کی شہادت ایسے شخص کی شہادت ہے جو من جملہ ۱۹ کے ۱۷ مہموں میں رسول اللہ ﷺ کے رفیق کار اور ساتھی رہ چکے تھے۔ اس کے مقابلے میں ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ یعنی غزوہ عشیرہ صفر ۲ھ کا نہیں بلکہ جمادی الاول ۲ھ کا ہے 15 اس طرح عام طور پر یہ مہم غزوہ ابواء سے دو ڈھائی مہینے کے بعد کی تسلیم کی جاتی ہے مولوی اسحاق النبی کے نزدیک محدثین اور سیرت نگاروں کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں روایتیں بظاہر مشکوک ہو جاتی ہیں لیکن واقعاتی طور پر جانچ کرنے سے یہ صرف ایک تقویمی فریب ثابت ہوا ہے جس میں سیرت نگار اور مؤرخین عرصہ دراز سے مبتلا ہیں۔ سن ۲ھ کی دو تقویمی جدولوں کے مطابق مکی صفر کے مقابلے میں مدنی جمادی الاولی آتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ سن ۲ھ میں یہ دونوں مہینے ایک ساتھ چل رہے تھے مکی تقویم کے بموجب اسی مہینے کا نام صفر تھا جو عام قمری اعتبار سے جمادی الاولی کہلاتا تھا اس طرح دونوں واقع ایک ہی ماہ سے تعلق رکھتے ہیں۔16

8. غزوہ احد و غزوہ حمر الاسد

غزوہ احد و غزوہ حمر الاسد کے متعلق روایات میں اختلاف ہے بعض میں محرم ۳ھ اور بعض میں شوال ۳ھ ہے۔ یہ سوال، کہ غزوہ احد محرم کا واقعہ تھا یا شوال کا، اسحاق النبی کے تقویمی جدول سے حل ہو جاتا ہے کہ سن ۳ھ کی جدول تقویم میں مکی شوال مطابق ۱۳ جون ۶۲۵ء کا متوازی مدنی مہینہ محرم ہے جس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ یہ اختلاف روایت محض دو تقویمی کارفرمائی کا نتیجہ ہے نیز یہ کہ شوال کے متعلق جو روایتیں ملتی ہیں وہ مکی تقویم کے بموجب ریکارڈ کی گئی تھیں اس خیال کی تصدیق موسمی اشارات سے بھی ہوتی ہے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ غزوہ احد اور حمر الاسد جس موسم میں ہوئے اس میں تازہ کھجوریں چل چکی تھیں۔ حجاز میں عام

طور پر رطب کا موسم جون جولائی ہے کیونکہ حمرہ الاسد سے واپسی کے چند دن بعد ایک صحابیہ نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی جس میں تازہ کھجوریں پیش کی گی تھیں 17

9. غزوہ بدرِ موعد

ابن اسحاق نے بدرِ موعد سے پہلے غزوہ ذات الرقاع کا ذکر کیا ہے 18 لیکن واقدی کے مطابق غزوہ ذات الرقاع بدرِ موعد کے بعد کا واقعہ ہے مولانا اسحاق النبی نے واقدی کے خیال کو درست کہا ہے ابن اسحاق کی روایت میں شعبان ۴ھ ہے 19 جبکہ واقدی کی روایت میں ذیقعدہ ۴ھ ہے 20 اس غزوہ پر بھی دو ابتدائی دستاویزیں الگ الگ محسوس ہوتی ہیں جن میں سے ایک مکی تقویم کے مطابق تھی اور دوسری مدنی تقویم کے مطابق تھی۔ مولانا اسحاق النبی کی جدول تقویم 21 میں ۴ھ مکی شعبان کا متبادل، مدنی مہینہ ذیقعدہ ہے جس سے اس خیال کی تصدیق ہو جاتی ہے اور نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں دستاویزیں الگ الگ ریکارڈ کی گئی تھیں۔

10. غزوہ ذات الرقاع

ابن اسحاق نے اس غزوہ کا مہینہ جمادی الاول ۴ھ بیان کیا ہے 22 جبکہ واقدی اور ابن سعد نے اسے محرم ۵ھ کا واقعہ قرار دیا ہے 23 یہ تمام اختلافات اس دستاویزی اختلاف کا نتیجہ ہے جو سیرت کے ابتدائی مدونین کو ملی تھی چناچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق اسحاق النبی کی مکی جدول میں 24 مکی محرم کا متوازی مدنی مہینہ جمادی الآخر آتا ہے جو دونوں دستاویزوں کے بالکل مطابق ہے اور جس کی بنیاد پر ابن اسحاق کی ترتیبی غلطی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

11. صلح حدیبیہ

ابن اسحاق 25 اور واقدی 26 دونوں متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس عمرے کے لیے ذیقعدہ میں ۶ھ کو مکہ سے روانہ ہوئے لیکن بعض روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے کچھ تاریخی شکوک پیدا ہوتے ہیں کیونکہ طبری کے مطابق حدیبیہ کے زمانے میں ہی کسریٰ کی ہلاکت کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی۔ 27 گویا کسرہ کا قتل اور صلح حدیبیہ ایک ہی زمانے کے واقعات ہیں لیکن مؤرخین اسلام کے نزدیک کسریٰ کا قتل متفقہ طور پر جمادی الاول کا قصہ ہے۔ ابو نعیم نے بھی دونوں واقعات کا ایک ہی زمانے میں ہونا نقل کیا ہے۔ 28 اس سے ثابت ہوا ہے کہ یہ دونوں واقعات بالکل قریب العہد ہیں۔ اسحاق النبی کے نزدیک سن ۶،۷ھ کے جدول 29 سے اندازہ ہوا ہے کہ مکی جمادی الاولیٰ کا متبادل قمری مہینہ شوال ۶ھ تھا جس کے بعد ذیقعدہ آتا ہے یعنی وہی ذیقعدہ مدنی جس میں تمام سیرت نگاروں کے نزدیک صلح حدیبیہ ہوئی تھی۔ اس طرح دونوں واقعات بالکل ہم عہد ہو جاتے ہیں اور کسری کا واقعۂ قتل جو نینوا میں جماد الاولیٰ کے مہینے میں ہوا تھا اس کی اطلاع جمادی الآخر کے اوائل میں مکہ پہنچنا بالکل قدرتی بات ہے۔

12. غزوہ خیبر

ابن اسحاق نے غزوہ خیبر کو محرم یعنی شروع ۷ھ کا واقعہ قرار دیا ہے 30 جبکہ واقدی اور ابن سعد نے اسے جمادی الاولیٰ ۷ھ کا واقعہ قرار دیا ہے جبکہ مولانا اسحاق النبی کا مؤقف ہے کہ واقدی کے نزدیک غزوہ خیبر صلح حدیبیہ سے تقریباً چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے جو تاریخی طور پر درست معلوم ہوتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ابن اسحاق کے نزدیک یہ واقعہ حدیبیہ سے صرف ایک یا ڈیڑھ ماہ بعد کا ہے جس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ان کو اس غزوے کی تاریخ محرم ۷ھ پہنچی تھی، حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ کا واقعہ ہے اس بنا پر اصولاً ان کو یہی نتیجہ نکالنا تھا حالانکہ دو تقویمی 31 نقطہ نظر سے واقدی اور ابن اسحاق کی روایتوں یعنی محرم اور جمادی میں کوئی فرق یا بُعد نہیں۔

13. فتح مکہ

مولوی اسحاق النبی کے نزدیک 32 سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ ۱۰ رمضان سن ۸ھ کو جب کہ ہر مسلمان سپاہی روزے دار تھا مسلمانوں کی تقریباً ۱۰ ہزار فوج مدینہ سے نکلی اور مکہ کی طرف روانہ ہوئی۔33 اسی طرح واقدی اور دوسرے مصنفین نے بھی اس غزوہ پر روانگی کی تاریخ ۱۰ رمضان ۸ھ بیان کی ہے 34

وسٹنفیلڈ کی قمری تقویم کے مطابق ۱۰ رمضان سن ۸ھ کو بجائے بدھ کے پیر آتا ہے، جو روایات سے مطابقت نہیں کرتا، جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ رمضان قمری نہیں تھا بلکہ مکی رمضان تھا، چنانچہ مکی رمضان اتوار ۲ مئی ۶۳۰ء کو شروع ہوا تھا جس کے حساب سے ۱۰ کو منگل آتا ہے، گویا ایک دن کا فرق جو قابل لحاظ نہیں، یہ مدینے سے روانگی کی تاریخ تھی مگر ابن سعد نے تسخیر مکہ کی تاریخ بھی بیان کی ہے جو مکی تقویم کے اعتبار سے قطعاً صحیح ثابت ہے۔ طبقات میں ہے مکہ جمعہ کے دن ۲۰ رمضان کو فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے وہاں ۱۵ دن قیام فرمایا35 ابن اسحاق نے بھی یہی تاریخ بیان کی ہے مگر اس میں جمعہ کا دن مذکور نہیں۔36 بہر صورت یہ تاریخ قطعاً درست ہے کیونکہ جب یکم رمضان کو اتوار ہو گا تو ۲۰ کو جمعہ ہونا یقینی ہے۔

14. غزوہ تبوک

اس غزوہ کی تاریخِ روانگی متفقہ طور پر رجب ۹ھ اور واپسی رمضان یا شوال ۹ھ بیان ہوئی ہے جیسا کہ ابن حبیب نے لکھا ہے آنحضرت ﷺ اس کے لیے پیر کے دن یکم رجب کو نکلے اور آخر شوال میں واپس ہوئے۔37 وسٹنفیلڈ (Wustenfeid) کی تقویم کے مطابق یہ رجب اکتوبر و نومبر کا متوازی مہینہ تھا یعنی موسم سرما کے آغاز کا زمانہ، جس کے حساب سے واپسی جنوری میں ہونا چاہیئے۔ سر ولیم میور (Sir William Muir) 38 اور مولانا شبلی کا بھی یہی خیال ہے 39 چنانچہ سر ولیم (Sir William

(Muir میور نے اکتوبر اور مولانا شبلی نے رجب ۹ ھ مطابق نومبر اس غزوہ کی تاریخ روانگی قرار دی ہے۔ اس کے مقابلے میں سیرت کی تمام روایتیں اس بات کے حق میں ہیں کہ اس غزوہ کا موسم گرما تھا جیسا کہ حضرت کعبؓ بن مالک نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ لشکر کشی سخت گرمی کے زمانے میں کی تھی 40 ابن اسحاق نے زہری وغیرہ کی سند سے اس کے موسمی نقشے کی تصویر بیان کی ہے کہ "اور یہ لوگوں کی تنگدستی اور خشک سالی کا زمانہ تھا اور شدید گرمی پڑ رہی تھی جبکہ پھل خوش آئندہ ہو جاتے ہیں اور لوگ اپنے باغوں اور سایہ کو پسند کرتے ہیں" 41 سب سے بڑھ کر خود قرآن مجید نے منافقین کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ "گرمی میں نہ نکلو" جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "جہنم کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے" 42 ان تمام موسمی شہادتوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ مہم نومبر، دسمبر اور جنوری کے مہینوں کی ہرگز نہ تھی بلکہ ایسے موسم کی تھی جس میں پھل اچھے ہو جاتے ہیں گرمی میں تیزی اور شدت آجاتی ہے لوئیں چلنے لگتی ہیں اور درختوں کے سایہ باعث تسکین ہو جاتے ہیں غزوہ تبوک کے رجب کو مذکورہ موسم سے مطابقت ہونا چاہیے اسحاق النبی کی جدول 43 سے واضح ہوا ہے کہ اس سال مکی رجب اٹھ اپریل سات مئی سن کے متوازی تھا جو روایتی موسم سے عین مطابق ہے۔

15. سریہ علی بن ابی طالب وسریہ خالد بن ولید

حضرت علیؓ کو رمضان ۱۰ میں یمن بھیجا گیا تھا اور حضرت خالدؓ بن ولید کو ربیع الآخر میں بھیجا گیا تھا۔ اسحاق النبی کے نزدیک دلچسپ بات ہے کہ حضرت خالدؓ کو جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں اس بات کو صاف کر دیا گیا تھا کہ اگر ان کی ملاقات حضرت علیؓ سے ہو جائے تو وہ پوری فوج کی امارت انہیں سونپ دیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے تقریباً ہم زمانہ ہیں چنانچہ مکی تقویم 44 کے مطابق ربیع الاخر ۱۰ ھ کا آغاز مدنی رمضان کے اختتام پر ہو رہا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ سریہ حضرت خالد بن ولیدؓ کا ریکارڈ مکی تقویم کے مطابق ہوا تھا اور حضرت علیؓ کے سریہ کا مدنی کیلنڈر کے مطابق ہوا تھا۔

16. حجۃ الوداع

قمری ذیقعدہ ۱۰ سنہ میں رسول اللہ ﷺ نے خود حج کا ارادہ فرمایا جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۲۵ ذیقعدہ کو ہفتے کے دن مدینے سے روانہ ہوئے تھے۔ 45 مولانا اسحاق نے کہا ہے کہ وسٹنفیلڈ نے ذیقعدہ ۱۰ کی پہلی تاریخ کو بدھ قرار دیا ہے جس کی رو سے ۲۵ کو ٹھیک ہفتہ ہی آتا ہے جو روایت کے عین مطابق ہے۔ اسحاق النبی نے کہا ہے کہ جب یہ قافلہ مر الظہران پہنچا تو پیر تھا اور پیر کے دن مر الظہران میں تھے کہ سورج سرف میں غروب ہوا 46 ابن عباس اور جابر کی روایت کے مطابق یہ ذی الحجہ کی ۴ تاریخ تھی، حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۴ ذی الحجہ کو تشریف لائے 47

عبد اللہ بن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کی تہلیل فرمائی تو آپ ﷺ ۴ ذوالحجہ کو تشریف لائے 48 اسحاق النبی نے کہا ہے کہ گویا پیر ۴ ذوالحجہ کے مطابق تھا وسٹنفیلڈ کی تقویم کے مطابق اگرچہ دونوں بیانات صحیح ہیں کیونکہ از روئے حساب ذوالحجہ ۱۰ کی پہلی تاریخ کو جمعہ تھا اس لیے پیر کو ذوالحجہ کی ۴ تاریخ ہی ہونا چاہیے لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سال حج جمعہ کو ہوا تھا یعنی جمعہ کے دن ۹ تاریخ تھی جس کی رو سے پیر کو بجائے ۴ کے ۵ تاریخ ہونا چاہیے، اس کے یہ معنی ہیں کہ مکہ میں ذوالحجہ کا چاند ۲۹ کو تسلیم کر کے بجائے جمعہ کے جمعرات کی پہلی تاریخ قرار دی گئی تھی اور حج اسی حساب سے ادا کیا گیا تھا یہ ایک دن کا فرق ایسا نہیں جو قمری مہینوں میں نیا یا کوئی خاص اہمیت رکھتا ہو۔

حجۃ الوداع کی تاریخی عظمت اور اہمیت کی آئینہ دار اگر کوئی شے ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کا خطبہ حج ہے جس کا ایک ایک لفظ عالم انسانیت کو نئی روشنی اور نیا درس حیات دیتا ہے لیکن اسحاق النبی نے صرف وہی حصہ ذکر کیا ہے جس کا تعلق تنسیخ تقویم سے ہے۔ مکی تقویم جو اجرام پرستی کا سرچشمہ بن گئی تھی اگرچہ ۹ھ میں بذریعہ قرآن منسوخ ہو چکی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس خطبے میں بھی اس کا ذکر فرمایا اور ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والأرض فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ سال کے ۱۲ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں تین متواتر مہینے ذیقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے 49 مولانا اسحاق النبی نے کہا ہے کہ اس ابتدائی جملے یعنی ان الزمان قد استدار کا مفہوم بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سال قمری وشمسی دونوں تقویمیں ایک ہی نقطہ پر جمع ہو گئی تھیں اور ذوالحجہ کا مہینہ دونوں حسابوں سے ایک ہی زمانے میں آپڑا تھا لیکن یہ خیال غلط ہے نقشہ تقویم 50 کو سامنے رکھ کر قمری محرم کو ملاحظہ فرمائیے، جو اس سال ۲۹ مارچ یعنی اعتدال ربیع کے عین متصل شروع ہو رہا ہے۔ اسحاق النبی کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ قدیم اہل بابل، اہل ایران اور شاید جنوبی عرب کے باشندے اور تمام باشندگانِ ہند اعتدال ربیعی سے سال کا آغاز کرتے تھے جس کا رواج ہندوستان میں آج تک چلا آرہا ہے یہودیوں کے مذہبی سنہ تکوین کا پہلا مہینہ "ینساں" بھی اسی نقطہ سے شروع ہوتا تھا اور گمان غالب یہ ہے کہ قدیم عربوں میں بھی ایک سن کا آغاز اعتدال ربیعی سے کیا جاتا تھا جبکہ سورج برج حمل میں داخل ہوتا، کیونکہ عربوں کا بھی یہی خیال تھا کہ آفرینش عالم اعتدال ربیعی میں ہوئی تھی۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ "اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اس وقت پیدا کیا جبکہ سورج برج حمل میں تھا اور زمانہ اعتدال تھا اور دن اور رات مساوی تھے، تو فصلوں کی ابتداء صیف سے ہوئی اور اسی کو لوگ فصل بہار کہتے ہیں جب کبھی سورج برج حمل میں ہوتا ہے تو اس سے دنیا کے لیے ایک سال گزر جاتا ہے" 51 سن ۱۱ میں قمری محرم گھوم پھر کر اسی نقطہ اعتدال ربیعی پر آگیا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والأرض اسی سن کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اسحاق النبی نے کہا ہے کہ اس سے یہ مراد لینا کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک واقعی آسمان اور زمین کی تخلیق اسی زمانے میں ہوئی

تھی شدید ترین غلطی ہے اور اس سے بڑی غلطی یہ تصور ہے کہ اس زمانے میں شمسی اور قمری تقویم ایک ہو گئی تھی۔

17. جیش اسامہ اور رحلت رسول اللہ ﷺ

سن ۱۰ کے موسم بہار کا بڑا حصہ اگرچہ انصرام حج میں صرف ہو چکا تھا مگر مسلمان فوجیں تیار کھڑی تھیں کہ جہاد روم پر جانے کا کس وقت حکم ملتا ہے چنانچہ حج کے دو ہی مہینے بعد اس کی تیاری کا اعلان ہو گیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ صفر ۱۱ھ کے آخری ہفتے میں پیر کے دن رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جہاد روم پر جانے کی تیاری کریں 52 اسحاق النبی کے نزدیک اس روایت کے راوی اول کے ذہن میں پیر کی ۲۷ تاریخ تھی لیکن وسٹنفیلڈ (Wustenfeld) کی تقویم کے مطابق پیر ۲۸ کو پڑتا ہے اس سے صرف ایک دن بیچ یعنی بدھ کے روز اچانک پیغمبر اسلام ﷺ کی طبیعت ناساز ہونا شروع ہوئی، ابن سعد کا بیان ہے کہ جب بدھ کا دن آیا تو بخار اور درد سر کی ابتدا ہوئی 53 ابن سعد کے رُواۃ کے نزدیک یہ جمعرات ۲۹ صفر کو پڑتا تھا۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ جب بدھ کے دن صفر کی دو راتیں باقی تھیں کہ ام المومنین میمونہؓ کے مکان میں علالت شروع ہوئی 54 جبکہ اسحاق النبی کے نزدیک پیر کی ۲۸ تاریخ تھی اسی لیے بدھ کی بجائے ۲۹ کے ۳۰ ہونا چاہیے یہ غالباً راوی کی حسابی غلطی ہے۔ بہر حال تمام رفقاء تیاریوں میں مصروف ہو گئے اور مقام جُرف میں فوج اکٹھی ہونا شروع ہو گئی، جو غالباً عہد رسالت میں فوجی پڑاؤ تھا اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اس پروگرام کو کسی طویل عرصے کے لیے ملتوی کر کے فوج کو چھٹی دے دی جائے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے ہی دن یعنی جمعرات کے روز خود اپنے دستِ مبارک سے ایک پرچم تیار کیا اور اسامہ بن زیدؓ کے سپرد کر کے قیادت ان کے ہاتھ میں دے دی۔ طبقات میں ہے کہ بعد ازاں جب جمعرات کی صبح ہوئی تو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسامہ کے لیے جھنڈا باندھا" 55 وسٹنفیلڈ (Wustenfeld) کی جدول کے مطابق یہ جمعرات ۲ ربیع الاول کو پڑتا ہے لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ پھر ربیع الاول کا چاند بجائے ۲۹ کے ۳۰ کو ہوا تھا، یا اہل مدینہ اس کو دیکھ نہ سکے تھے، تو جمعرات کی پہلی تاریخ ہو گی جو روایت کے عین مطابق ہے۔

دوسرے جمعرات یعنی ۸ ربیع الاول ۱۱ سن مطابق چار جون ۶۳۲ء سن کو رسول اللہ ﷺ کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک تحریر لکھنا چاہی لیکن بیماری کی شدت تھی اور یہ کام نہ ہو سکا اس عرصے میں طبیعت کبھی بگڑتی کبھی سنبھلتی۔ حضرت اسامہؓ کی نامزدگی پر لوگوں میں ویسے ہی سرگوشیاں شروع ہوئیں جیسی کہ ان کے باپ کی سرداری پر ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے بیماری کی حالت میں مسجد تشریف لا کر خطبہ دیا 56 یہ واقعہ ۱۰ ربیع الاول مطابق چھ جون ۶۳۲ء کا ہے جبکہ مرض اپنی پوری شدت پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ یہ لشکر جلد از جلد روانہ ہو چنانچہ اس تاریخ کو اکثر صحابہ رسول اللہ

ﷺ سے رخصت ہو کر جُرف روانہ ہو گئے جہاں لشکر پڑا تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ہفتے کے دن ۱۰ ربیع الاول کا ہے کہ جو مسلمان اسامہؓ کے ساتھ جانے والے تھے رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہوئے۔ 57 اس روایت سے ثابت ہوا ہے کہ ہفتے کے دن یعنی ۶ جون ۶۳۲ء کو ربیع الاول کی ۱۰ تاریخ تھی اور ربیع الاول کا چاند بجائے ۲۹ کے ۳۰ کا تسلیم کیا گیا تھا، اسی روز مرض میں اور ترقی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ اتوار کے دن مرض پوری شدت پر تھا پیر کے دن صبح کو طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو آپ ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ نماز فجر میں مشغول تھے یہ دیکھ کر آپ ﷺ فرطِ مسرت سے مسکرا دیئے۔ آخر کار فیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آ گیا، عین آخری وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اقدس سے یہ الفاظ سنے ”نماز اور غلام “58 یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو پیر کے دن دوپہر کے بعد کا ہے یعنی ۸ جون ۶۳۲ء کا، اور اسامہؓ کا پرچم جو جُرف پہنچ چکا تھا واپس آیا اور آستانۂ نبوت پر نصب کر دیا گیا۔

مولانا اسحاق النبی نے سیرت کے واقعات میں توقیتی تضاد کی وجوہات میں "دو دستاویزی" تصور کو وجہ قرار دیا ہے کہ ابن اسحاق اور ابن واقدی یا متقدمین سیرت جن کی کتب آج دستیاب ہیں ان کے پیشِ نظر جو ماٰخذ تھے وہ دو قسم کے تھے، ایک خالص مدنی تقویم کے مطابق اور دوسرا مکی تقویم جو کہ "قمری شمسی" ہے، کے مطابق تھا۔ تابعین کے دور تک مکی "قمری شمسی" تقویم کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے دونوں قسم کے ماٰخذ کی روایات خلط ملط ہو گئیں اور ان میں تفریق کو ملحوظ نہ رکھا گیا مولانا اسحاق النبی نے انہیں واقعات کے حل کے لیے ایک کتاب "حل التضاد فی تواریخ سیرت خیر العباد" لکھی لیکن اس کے شائع ہونے سے قبل اس کا کچھ حصہ ماہ نامہ برہان دہلی، میں شائع ہوا۔ مولانا اسحاق النبی نے تقریباً ۱۰۰ یا ۱۲۵ چھوٹے بڑے واقعات میں سے، جو سیرت کی مختلف کتب میں موقت نظر آتے ہیں ان میں سے چند واقعات انتخاب کر کے پیش کیے تاکہ ان پر اس جدید نظریے کی آزمائش کی جائے اور ساتھ انہوں نے مکی قمری شمسی جدول پیش کیا ہے اور پھر تمام واقعات سن وار پیش کیے ہیں اور ہر سن کا ایک علیحدہ چارٹ بھی دیا ہے جو مکی اور مدنی دونوں تقویموں پر مشتمل ہے، یہ چارٹ اس طرح بنائے ہیں کہ مکی اور مدنی تقویموں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر ان کے درمیان جولین (GULIN) کیلنڈر رکھا ہے تاکہ ان دونوں میں جو تفاوت چل رہا تھا، وہ واضح ہو اور دریافت کیا کہ کون سا "مکی" مہینہ کس "مدنی" مہینے سے مطابق تھا اور یہ دونوں مہینے عیسوی اعتبار سے کس تاریخ کو شروع ہوئے، ساتھ ہی ان مہینوں کے پہلو میں واقعات کے عنوانات بھی لکھے ہیں تاکہ ہر واقعہ کی توقیتی آزمائش میں پوری سہولت رہے اگر کسی واقعہ کا ریکارڈ مکی اور مدنی دونوں تقویموں کے مطابق ہوا تو چارٹ کے دونوں جانب اس کی بھی نشاندہی کی ہے۔ بحیثیت مجموعی اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلو سامنے آئیں جن سے ایک قابلِ قبول تاریخ مرتب ہو سکے۔

حوالہ جات

[1] سر سید احمد خاں، خطباتِ احمدیہ، لاہور: ٹول کشور سٹیم پریس، ص313

Sir Sayyid Aḥmad Khān, Khuṭbāt-e Aḥmadiyyah, Lāhawr: Tool Kishwar Steam Press, p. 313.

[2] مولانا اسحاق النبی، واقعات سیرت میں توقیتی تضاد اور اس کا حل ، مشمولہ: برہان، جلد نمبر52، شمارہ نمبر5، نئی دہلی: ندوۃ المصنفین، مئی1964ء، ص5 تا 11

Mawlānā Isḥāq al-Nabī, Wāqi‘āt-e Sīrat meṉ Tawqītī Taḍāḍ aur Is kā Ḥall, Mashmūlah: Burhān, Jild no. 52, Shumārā no. 5, Nayī Dihlī: Nadwat al-Muṣannifīn, May 1964, pp. 5–11.

[3] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر2، اگست1964ء، ص12، 14

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 2, August 1964, pp. 12, 14.

[4] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر2، اگست1964ء، ص12، 14

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 2, August 1964, pp. 12, 14

[5] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر2، اگست1964ء، ص14، 15

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 2, August 1964, pp. 14, 15

[6] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر2، اگست1964ء، ص7 تا 9

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 2, August 1964, pp. 7–9.

[7] محمد بن جریر طبری، تاریخِ طبری، کراچی: نفیس اکیڈمی، ج2، ص254

Muḥammad ibn Jarīr al-Ṭabarī, Tārīkh al-Ṭabarī, Karāchī: Nafīs Academy, vol. 2, p. 254.

[8] ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت: دار صادر1968ء، ج1، ص157

Ibn Sa‘d, Muḥammad ibn Sa‘d, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, Bayrūt: Dār Ṣādir, 1968, vol. 1, p. 157.

[9] ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مصر، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفى البابي الحلبي واولادہ، 1375ھ، بار: دوم ج:2، ص126

Ibn Hishām, ‘Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, Miṣr: Sharikat Maktabah wa Maṭba‘ah Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī wa Awlāduh, 1375H, Bārī Dūm, vol. 2, p. 126.

[10] محمد بن عمر واقدی، کتاب المغازی، بیروت: دار العلمی 1989، ج2، ص135

Muḥammad ibn ‘Umar al-Wāqidī, Kitāb al-Maghāzī, Bayrūt: Dār al-‘Ilmiyy, 1989, vol. 2, p. 135.

[11] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر4، اکتوبر1964ء، ص15

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 4, October 1964, p. 15.

[12] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص241

Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 2, p. 241.

[13] قسطلانی، احمد بن محمد، شرحِ مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج1، ص466

Qasṭallānī, Aḥmad ibn Muḥammad, Sharḥ Mawāhib al-Ladunniyyah bil-Minaḥ al-Muḥammadiyyah, Bayrūt: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyyah, vol. 1, p. 466.

[14] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ العشیرہ، رقم الحدیث5040

Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā‘īl, al-Jāmi‘ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Maghāzī, Bāb Ghazwat al-‘Ushayrah, Ḥadīth no. 5040.

15 عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص249

‘Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 2, p. 249.

16 برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر4، اکتوبر1964ء، ص20تا22

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 4, October 1964, pp. 20–22.

17 محمد بن عمر واقدی، کتاب المغازی، ج2، ص321

Muḥammad ibn ‘Umar al-Wāqidī, Kitāb al-Maghāzī, vol. 2, p. 321.

18 عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج3، ص213

Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 3, p. 213.

19 ایضاً، ص220

Ibid , P 20

20 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص42

Ibn Sa‘d, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 42.

21 برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر5، نومبر1964ء، ص13

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 5, November 1964, p. 13.

22 عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج3، ص242

‘Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 3, p. 242.

23 ابنِ سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص43

Ibn Sa‘d, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 43.

24 برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر5، نومبر1964ء، ص16

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 5, November 1964, p. 16

25 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص49

Ibn Sa‘d, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 49.

26 عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج3، ص321

‘Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 3, p. 321.

27 محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج3، ص91

Muḥammad ibn Jarīr al-Ṭabarī, Tārīkh al-Ṭabarī, vol. 3, p. 91.

28 ابونعیم احمد بن عبداللہ، دلائل النبوہ، لاہور، ضیاء القرآن پبلشرز، ص124

Abū Nu‘aym Aḥmad ibn ‘Abd Allāh, Dalā’il al-Nubuwwah, Lāhawr: Ḍiyā’ al-Qur’ān Publishers, p. 124.

29 برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر5، نومبر1964ء، ص20، 21

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 5, November 1964, pp. 20, 21.

30 عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج3، ص342

‘Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 3, p. 342.

[31] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر6، دسمبر1964ء، ص22، 23

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 6, December 1964, pp. 22, 23.

[32] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر6، دسمبر1964ء، ص22، 23

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 6, December 1964, pp. 22, 23.

[33] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج4، ص43

'Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 4, p. 43

[34] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص97

Ibn Sa'd, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 97.

[35] ایضاً، ص99

Ibid, P 99

[36] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج4، ص80

'Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 4, p. 80.

[37] محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، قاہرہ: دار الافاق العربیہ1942ء، ص115

Muḥammad ibn Ḥabīb al-Baghdādī, Kitāb al-Muḥabbar, Qāhirah: Dār al-Āfāq al-'Arabiyyah, 1942, p. 115.

[38] Sir William Muirs , The Life of Mohomet , London : Smith, Elder & Co, Vol.2 , p 441, 442

[39] علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: حذیفہ اکیڈمی، ج1، ص563

'Allāmah Shiblī Nu'mānī & Sayyid Sulaymān Nadwī, Sīrat al-Nabī ﷺ, Lāhawr: Ḥudhayfah Academy, vol. 1, p. 563.

[40] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج4، ص176

'Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 4, p. 176.

[41] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج4، ص159

'Abd al-Malik ibn Hishām, al-Sīrah al-Nabawiyyah, vol. 4, p. 159.

[42] التوبۃ:81

Al-Tawbah, 9:81.

[43] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر6، دسمبر1964ء، ص35، 36

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 6, December 1964, pp. 35, 36.

[44] برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر6، دسمبر1964ء، ص40

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 6, December 1964, p. 40.

[45] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص124

Ibn Sa'd, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 124.

[46] ایضاً

Ibid

[47] ایضاً، ص126

Ibid, P 126

48 ایضاً

Ibid

49 محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدا الخلق، رقم الحدیث4662

Muḥammad ibn Ismā‘īl, al-Jāmi‘ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb Bad’ al-Khalq, Ḥadīth no. 4662.

50 برہان، جلد نمبر53، شمارہ نمبر6، دسمبر1964ء، ص40

Burhān, Jild no. 53, Shumārā no. 6, December 1964, p. 40.

51 ابن قتیبہ، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم، کتاب الانواء، قاہرہ: دار المعارف، ص19

Ibn Qutaybah, Abū Muḥammad ‘Abd Allāh ibn Muslim, Kitāb al-Anwā’, Qāhirah: Dār al-Ma‘ārif, p. 19.

52 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص136

Ibn Sa‘d, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 136.

53 ایضاً

Ibid

54 ایضاً، ج3، ص3

Ibid, vol 3, P 3

55 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص136

Ibn Sa‘d, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 136.

56 ایضاً، ج3، ص41

Ibid, vol 3 P 41

57 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص136

Ibn Sa‘d, al-Ṭabaqāt al-Kubrā, vol. 2, p. 136.

58 ایضاً

Ibid